

دارالعلوم حقانیہ

منزل بہ منزل

(۳۰ سال قبل)

دارالعلوم حقانیہ کا جلسہ دستار بندی

۱۰۰۹ شعبان ۱۴۰۶ھ - ۲۶ مئی ۱۹۸۵ء

دارالعلوم حقانیہ کے شاندار ماحول کو مرتب و مدون کرنے اور اسے
ریکارڈ بنانے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ ایسے تمام مواد،
یادداشتوں، تہمتی رپورٹوں، وارنٹوں و صنادیق کی تفصیلات
بالخصوص دارالعلوم کے اہل اہل دور کے جلسہ ہائے دستار بندی
کی رودادیں جو اس وقت چھپ نہیں سکیں کسی نہ کسی مرتبہ شائع
کرنے محفوظ کی جائیں اس ضمن کیلئے دارالعلوم کی مفصل تاریخ
کی تدوین اور ماحولہ الحق کی خصوصیات امتاعت کے علاوہ فوری
طور پر ادارہ الحق نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے مواد کو دارالعلوم کے
ریکارڈ سے تلاش کر کے الحق کے ذریعہ محفوظ کیا جائے۔

اس وقت ہمارے سامنے دارالعلوم کے ایک جلسہ دستار بندی ۱۹۵۵ء کی رپورٹ ہے۔ یہ جلسہ اپنی افادیت اور وسعتوں کے

محاذ سے دیر با اثرات کے حامل ہونے لگے۔ اور ایک عظیم الشان علمی جشن (بقول مولانا قاسم محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دہلی)
کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ پیش نظر رپورٹ اس وقت پشت دور کے ہفت روزہ البدیع نے خصوصی شمارہ ۸ جون ۱۹۵۵ء میں شائع
دستار بندی نمبر میں شائع کاغذی۔ اور جسے مولانا سعید الدین صاحب شیر کوٹی نے مرتب کیا تھا جس کی یہ سہ پیش خدمت ہے۔

(قیسری نشست) دارالعلوم حقانیہ کوڑہ ٹنک کے اجتماع کی قیسری نشست ۲۸ مئی کو جس ۸ بجے زیر صدارت
حضرت مولانا عبدالحق صاحب آت شہید و شرموع ہوئی۔ تلاوت قرآن اور نظموں کے بعد مولانا بہار الحق صاحب قاسمی نے اہل
منہایت پر معنی اور عالمانہ تقریر فرمائی۔

مولانا بہار الحق صاحب قاسمی کی تقریر | جناب صدر، بزرگو، بھائیو، علماء ذوی الاحترام! علماء کے اس اجتماع میں میری لب

کشتافی بڑی جسارت ہے لیکن چونکہ اپنی بزرگوں نے مجھے حکم دیا ہے اس واسطے امثال امر پر مجبور ہوں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حالات کی اتنی بڑی کا ذکر کروں یا اپنے اجتماعی تغافل کا شکوہ کروں لیکن جہاں تک میں سوچ سکے
ہوں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اصل بنا ابتری ہمارا تغافل ہے یہ چیزیں دوسری ہیں۔ حالات بگڑنے سے نہ بگڑے یا ہمارے
بگڑنے سے حالات بگڑے۔ میری اپنی رائے یہی ہے کہ ہمارے بدلتے سے حالات بدلتے ہیں یہ ہماری غلطی اور کمزوری تھی کہ حالات
کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بلکہ حالات کی زد میں آ گئے۔ مسلمان تو اگر اپنے مقام پر رہے تو حالات کی اصلاح اس کے فوسے ہے چہ یہ
کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حالات نے ہمیں بدل دیا۔

مولانا نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ بیشک ہمارے عہد غلامی میں وہ طریقے پورن طح سوچ سمجھ کر اختیار
کئے جن سے ہماری ذہنیات میں تبدیلی واقع کی جائے۔ وہ تدبیریں بردے کار لائی گئیں جن سے ہم عہد مقام سے بے ربط
مجبور ہو جائیں لیکن ہم انہی کمزوریوں کی بنا پر جو ہم میں تاریخی اعتبار سے آتی شروع ہو گئی تھیں۔ عہد کی ان بے ساختہ
متاثر ہو گئے۔

مولانا نے کچھ تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد آگے چل کر کہا۔ یہ بھی ایک انگریزی سب سے تھی جس نے علم سے گشت
کر دیا گیا۔ الزام یہ دھرا گیا کہ علماء علوم حاضرہ سے بیگانہ رکھنا چاہتے ہیں۔ عوام کو یہی پڑھا گیا کہ یہ ملک نظر علم و تقی

کے راستے بند کر دینا چاہتے ہیں لیکن محض ایک سیاست تھی جسے حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ آپ نے اسلام کے وسیع زاویہ ہائے نظر کی تفصیل کرنے کے بعد فرمایا: ”جب یہ شور مچا رہا تھا کہ علماء انگریزی تعلیم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس وقت مولانا عبدالحق صاحب مضر حقانی نے سر سید احمد کو یہ پیش کش کی تھی کہ ہم انگریزی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن شرط صرف یہ ہے کہ نصاب تعلیم کے اختیارات اور نظم تعلیم ہمارے اختیار میں ہو حکومت کو اس میں دخل نہ ہو۔ لیکن یہ شرط قبول کرنے کے لئے کون تیار ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو برطانوی مقصد تعلیم حاصل ہی نہ ہوتا تھا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ انگریزی تعلیم سے بیگانگی کا علماء پر صرف الزام ہی الزام تھا۔ اسلام علوم کی تمجید کی خود ترغیب دیتا ہے تو پھر علماء اس کے مخالف کیوں ہوں یہ صرف گاڑی کو انجن سے علیحدہ کرنے کا ایک طریق تھا اور محض اس لئے کہ اسلامی تعلیمات کا بیشتر فیض انہیں علماء سے پھوٹتا ہے اگرچہ غیر اسلامی تسلط نے یہ پوری پوری کوشش کی کہ جس طریق سے بھی ہو سکے قرآنی تعلیمات کو نابود کر دیا جائے۔ درس گاہوں اور خانقاہوں کو مٹا دیا جائے۔ لیکن یہ علماء کا طبقہ بھی بڑا ہی سخت جان ہے کہ اس نے دم نہ توڑا۔ آج یہ جمہوری سرپرستی نے نہ ریڈیو پر ملے گی نہ کالج میں اور نہ ہی نئے رنگ کے کسی اور حلقے میں بلکہ یہی کچھ بورڈریشن لوگ ہیں جنہوں نے ان مدبروں کو اپنے دامان تار تار میں چھپا رکھا ہے۔

مولانا بہار الحق صاحب اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا: میں ایک چمیر کو خصوصیت سے کہنا چاہتا ہوں اور مجھے اس تغیر پر بڑی حیرت ہے کہ آج حکومت، حکام یا صاحب اقتدار طبقہ کے دائرہ عمل سے فرائض دینی اور دینی قسم کی تمام ذمہ داریوں کو خارج قرار دے دیا جاتا ہے حالانکہ قرآنی تعلیمات بتاتی ہیں۔ الذین ان مکناہم فی الارض اقاموا

صلوۃ و آتوا الزکوۃ

آخر یہاں دینی فرائض کو بااختیار طبقہ کے پروگرام میں شامل نہیں کیا گیا تو کیا ہے؟

مولانا نے اپنی تقریر میں اشتراکیت کے مسئلہ کو بھی زیر بحث لاتے اور آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا کے خود ساختہ قوانین امن کیا قائم کریں گے۔ ابتری ہی پھیلاتے ہیں۔ یہ آج جو طبقاتی کشاکش پائی جاتی ہے یہ خود اسی اصلاحی پروگرام کا ایک کھلیا ہوا گل ہے۔ جو اپنے دامن میں خونخوار نتائج لئے ہوئے ہے۔ کم از کم اسلام ایسی کشاکش پیدا نہیں کرتا وہ تقریر پر داری کی پالیسی نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ سب تہذیب نو کے نود مبدہ گل ہیں۔

اپنی تقریر کے اختتام کے قریب مولانا بہار الحق صاحب نے خصوصاً علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا موجودہ حالات میں میں آپ سے یہ امید رکھوں گا کہ آپ اپنے راہ عمل میں جھکیں گے نہیں۔ بلکہ استغفار سے کام لیں گے۔ کیونکہ آپ جس چیز کے حامل ہیں۔ اس کے وقار کا یہی مقتضار ہے۔ اور اسی پر آپ نے اپنی تقریر ختم فرمائی۔

مولانا عبدالحق صاحب | مولانا بہار الحق صاحب کی تقریر کے بعد مولانا عبدالحق صاحب نے تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا اس دارالعلوم کی طرف سے جن طلباء کو دستار فضیلت دی گئی ہے یہی فضیلت سب مسلمانوں کے

کی تھی اور اسے ہر فرد اسلام اپنے لئے بجا طور پر قابلِ فخر خیال کرتا تھا۔ علم دین کے حصول کے لئے مسلمانوں کے بچے بچے میں تربیت پائی جاتی تھی اور ہر فرد اس کے لئے اپنی بساط کے بموجب پوری پوری کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج تو یہ ایک نصیب کی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ جسے نصیب ہو جائے کیونکہ رنگ سی بالکل بدل گیا ہے معیار ہی بالکل بدل گیا ہے اب تو دین کو حاصل کرنے والا کوئی کوئی ہے آپ نے آگے چل کر اپنی تقریر میں فرمایا۔ پہلے تو اصلاح کی ذمہ داری ہر فرد مومن پر تھی۔ لیکن اب تو شاید انہی چند نوجوانوں پر یہ بوجھ آچھا ہے جنہیں کل اس دارالعلوم سے دستاویز فیصلت ملی ہے۔

آپ نے ان فارغ التحصیل طلباء کو اس موقع پر خصوصاً خطاب کیا۔ اور ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔
 ”اس بگڑی کامطلب یہ ہے کہ پیغمبر عالم نے تمہیں مثل بلائی دیا جو بگڑا و عمر بنا کر تمہیں سطح عالم پر تبلیغ کے لئے منتخب کیا ہے تم دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جاؤ اور دنیا کے ہر کام میں مجسمہ بن کر اسلاف کا نمونہ پیش کرو۔ تم اپنی تعلیمات کو اپنے میں سمو لو کہ لوگ اس سے متاثر ہو کر رہیں گے۔ میں اس بات پر بھی آپ کو زور دوں گا کہ آپ اپنے وقار کو نہیں علم کے وقار کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جبہ سائی اور آستانوں پر پہنچنے سے گریزاں رہیں مسلمان اپنا ایک مقصد رکھتا ہے۔ اس مقصد میں کامیابی اور اعلا کلمۃ اللہ کے لئے سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن مقصد کے ناموس پر حرف آنے کو وہ گوارا نہیں کر سکتا۔

اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمن صاحب نے فرمایا کہ دارالعلوم حقانیہ کی بنا پر بظاہر نظر آج حیرت ہوتی ہے لیکن یہ حیرت کی بات نہیں کیونکہ دین کا کام کرنے والے یہ لوگ جن کے دل میں دنیا کے بھلے کام کرنے کی آگ سلگتی رہتی ہے زمانہ کی روش اور حالات کی سازگاری و ناسازگاری کو زیرِ نظر نہیں لایا کرتے بلکہ یہ اپنی آشتیاں بندی سے غرض رکھتے ہیں۔
 مسکن وہیں کہیں، وہیں شیاں کہیں دو ٹوٹے آٹے تپ چھ جہاں رکھ لے کہیں

آخر میں آپ نے اہل مسجد کی دینی حیثیت سے امید رکھتے ہوئے کہا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سرحدی افراد سر پایہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بیغیور بھی ہیں مجھے امید ہے کہ وہ اس نیک شوق کو بھی ضرور پورا کریں گے۔

دارالعلوم حقانیہ کے استحکام کی صورت میں ان کے دلوں میں پیدا ہونا چاہئے۔

مولانا نور الحسن صاحب بخاری | مولانا عبدالرحمن صاحب کے بعد مولانا نور الحسن صاحب بخاری مائیکروفون کے سامنے

تشریف لائے۔ آپ نے حمد و ثناء کے بعد اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ آج ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو نہ سمجھتا ہے

کہ یہ اسلامی مدارس قوم و ملک پر ایک بار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک خٹک یہ خیال میرے نزدیک بھی

صحیح ہے کہ یہاں کا نکلا ہوا طالب علم نہ وزیر بن سکتا ہے اور نہ امریکی و برطانوی معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔ اور نہ ہی یہ تہذیب کی کسوٹی پر جانچ پرکھ میں کھرا ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ انگریزی عہد حکومت میں جس کے ذریعے یہ رنگ یہاں آیا دوسری پالیسی استعمال کی جا رہی تھی۔ ایک طرف ہمیں جہاں سیاسی موت کے گھاٹ اتارا جا

رہا تھا وہیں ہم سے معاشرتی اور تہذیبی لحاظ سے ہمارے مذہب کا رنگ اتار کر اپنا رنگ چڑھایا جا رہا تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ علماء اور مدارس جنہیں مخالف ہواؤں نے محدود کر کے مسجدوں، خانقاہوں یا ان سے متصل رہنے دیا ہے، نہ ہوتے تو نہ معلوم ہم کون سی موت مرتے۔ ایک سیدھی سادی بات ہے اگر سمجھ میں آجائے تو کہ اگر ہم ان دینی علمی مراکز سے بدظن ہیں تو چلیے بدظنی ضرور رکھتے لیکن یہ تو فرمائیے کہ بدظانہ و امریکہ کی نئی تہذیب نے اور اس تہذیب کے بلند بانگ رکھنے والے دوسرے داروں نے ہمیں کیا دیا؟ اسلام نے تو ہمیں اخلاق دے۔ ہمارے تیرہ سو برس کے قرآن نے تو ہمیں سیرت بخشنی اور علم معرفت دیا۔ لیکن اس نوزائیدہ یورپین تہذیب و تمدن نے ہمیں کیا دیا؟ یہی ناکہ بد اخلاقی اور بد کرداری۔ دنیا کی بھی رُو سب باہمی اور آخرت کی بھی۔ آخر کوئی گوشہ تو بتائیے جس میں کچھ تہذیب کی روشنی آتی ہو۔ یوں ظلمتوں ہی کا نام آج کل تہذیب رکھ دیا جلتے تو بے شک بچا ہو گا۔

مولانا نے اپنے بیان میں اس چیز پر کافی زور دیا کہ ہمارا اصل سربراہ وہی ہے جسے ہم جھلا بیٹھے، لٹا بیٹھے اور سے اپنے خائن خیال تک میں بھی محفوظ نہ رکھ سکے۔

آگے چل کر آپ نے فرمایا۔ مجھے تو یہ پختہ یقین ہے کہ فتنوں کی رُو میں ملت کی غرقابی کے جتنے مواقع بھی آتے ان پر یہی علماء تھے۔ یہی سیدھے غیر مہذب سمجھے جانے والے انسان تھے جنہوں نے ڈوبتی ملت کو سہارا دے لیا۔ آج جہاں ہم ان سے بدظن ہوں اور چاہے ان سے انیٹھے رہیں۔ اور میں تو یہ کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ آج بھی ہم جس طرح مختلف حالات کو ایک خاص عینک سے دیکھتے ہیں اسی طرح ہم نے ابھی تک اپنے قابل احترام علماء اور اپنے علمی مراکز کو بھی خاص زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ جیسے انگریز نے علماء سے بدظن کرنے کے لئے ”ملائیت“ اور ”ملائیٹ“ کے الفاظ کی ترویج کی تھی اسی طرح ہم بھی انہی الفاظ ان کے اثرات اور جذبہ حقارت کو ابھی تک سنبھالے بیٹھے ہیں اگرچہ آج تو یہ بالکل ہی ایک ناموزوں سی بات ہے آج اسی طرح حسب سابق ”ملازم“ کا نام لے کر علماء کے خلاف حقارت پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں اس موقع پر یہ بھی یاد رکھ لینا ہو گا کہ اگر ”ملازم“ قرآن کی تعبیر ہی کو کہا جاتا ہے تو یہ پھیل کر رہے گا یہ ایک حقیقت ہے جو مٹ نہیں سکتی اسے آج تک دنیا کی کوئی گردش، وقت کا کوئی چکر، حالات کا کوئی رخ اور دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکی اور نہ مٹا سکتی ہے۔ آپ نے پاکستان میں علوم دینیہ کی ترویج اور ان کی قدر کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ امر تو اس مملکت کے سنگ بنیاد کی نشیبت رکھتا ہے۔ کہ یہاں علوم اسلامی اور اسلامی طور طریقوں کے نمونے پیش کئے جائیں کیونکہ پاکستان کی لبیک تو اسی مطلب اور اسی کا نام لے کر اٹھی گئی تھی جو قائد اعظم کی جھولی میں قوم کو ملی۔

ایک چیز جس مقصد کے پیش نظر حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے حصول کا انتظام ہی اس کے اقتدار کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ مولانا نور الحسن صاحب نے اپنے بیان میں ارباب اقتدار کو توجہ دلاتے ہوئے کہا:

میں آپ سے یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ریشہ دوانیاں اور فتنے غیر محسوس طریق سے زور پکڑ رہے ہیں جن کے

نتائج میرے خیال کے بموجب یقیناً خطرناک ہیں۔ آج کیونزیم کو ایک بڑا خطرہ تصور کیا جا رہا ہے لیکن اسی طرح کے کئی اور کیونزیم بھی ہیں جو نقصان اور سازشی نوعیت کے اعتبار سے کیونزیم سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں رکھتے۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ ان کی اہمیت کو آج پوری طرح محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ دانشمندی اسی کا نام ہے کہ دور سے ہوا کانگ بھانپ لیا جاتے اور یہ بھی کہنا ہی پڑے گا کہ ایک چیز کو خطرناک تسلیم کر لینے سے اس کا خطرہ دور نہیں ہوا کرتا۔ آج جب ہمیں شتر اکیٹ زور پکڑتی نظر آ رہی ہے۔ صرف ایک ہی چیز اس سیلاب کو روکنے کے لئے مؤثر نظر آتی ہے اور وہ ہے اسلام جسے ہم بھی اپنا کہتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ سٹالین کے کیونزیم کا سیلاب صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے رک سکتا ہے ہمارے موجودہ اندازے کے بموجب حالات کا بگاڑ اسلام سے سدھر سکتا ہے یا کیونزیم بگڑے ہوئے حالات پر چھا سکتا ہے۔ اس لئے اس عالمگیر فتنے کا علاج اسلام کو عوام پر پیش کر کے کیجئے۔ کیا یاد نہیں صدیق اکبرؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے لئے پرانا کفن تجویز کیا۔ جب نئے کفن کو کہا گیا تو اسلامی مساوات کے علمبردار نے کہا یہ سب میرے پیچھے رہنے والوں کے لئے ہے۔ یقین رکھتے ہیں اہل دنیا کی فلاح اور اطمینان کی صورت ہے ورنہ لاپرواہی اپنا رنگ لایا کرتی ہے۔ اور ہر ایک چیز کو غیر اہم سمجھنا ہی اس کی اہمیت کو بڑھا دیا کرتا ہے۔ مولانا نور الحسن بخاری نے اپنی تقریر میں وقت کے فتنوں کی پوری تشریح کی۔ ان میں مرزا بیت مارفض، انکار حدیث جیسے فتنوں کا خصوصاً ذکر کیا۔ آپ نے مرزائیت سے متعلق بہت سے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

”میں نہایت سنجیدگی اور وقت کے تقاضوں کے بموجب آپ کو اور ان حضرات اقتدار کو جو حالات پر غور کر کے فائدہ بخش نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ یہ کہوں گا کہ یہ مملکت جن حالات کی پیداوار ہے اس کے پیش میں اس کے نیک و بد پر پوری طرح غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

اسی سلسلے میں آپ نے اہل اختیار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

آخر میں مولانا نور الحسن صاحب نے فرمایا:

آج ایک فتنہ نہیں ہر جہاں طرف فتنے ہیں۔ ہوش میں آنے کی ضرورت ہے ورنہ وقت کا چکر سب کو پیس دے گا اسلام کا نور پیش کیجئے۔ اور اس کے حامل وہی ہیں جو بوریوں پر بیٹھتے ہیں یہ بھی یقین رکھئے انہیں کسی قسم کے اقتدار کی ضرورت نہیں

بلکہ ان کا مقصد صرف اس لائحہ عمل کو دنیا کے سامنے پیش کر دینا ہے جو اہل عالم کی پریشانیوں کا حل رکھتا ہے۔
مولانا نور الحسن صاحب کی تقریر کے بعد مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب نے تقریر فرمائی جس کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے فرمانے پر حضرت سید بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین اکوڑہ سے دعا کرائی۔ دعا سے قبل حضرت بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین خانقاہ غوثیہ نے فرمایا: مسلمانوں پر اور ایمان اکوڑہ پر قدرت کا یہ فضل و کرم رہا ہے کہ ہمارا گاؤں ہمیشہ سے علوم دینیہ کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی سعادت ہے کہ ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں دارالعلوم حقانیہ قائم ہوا ہے جو صحیح معنوں میں قوم و مذہب اور ملت کی خدمت کر رہا ہے۔

آپ نے آگے چل کر فرمایا میں اہل پاکستان سے عموماً اور اہل سرحد سے خصوصاً اپیل کرتا ہوں کہ اپنے تعاون سے اس دینی ادارے کو نوازیں تاکہ مذہب اسلام کا یہ سچا ادارہ شریعت محمدی کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دے سکے۔ ان ارشادات کے بعد حضرت سید صاحب نے دعا فرمائی۔ اور دارالعلوم کے اس پر رونق اور کامیاب اجتماع کی تیسری اور آخری نشست برخواست ہوئی۔

یہ اجتماع اپنے افادی پہلوؤں، پر رونق ہونے اور نظم و نسق کے ہر لحاظ سے پوری طرح کامیاب رہا جس کا تاثر سہراکارکنان دارالعلوم، ایمان اکوڑہ کی انتھاک کوششوں اور ان کے اخلاص کے سر ہے۔

ہم اس اجتماع کی کامیابی پر کارکنوں کو مبارک باد پیش کرتے وقت ان کے حسن انتظام کی داد دینا نہیں بھولیں گے۔ کہ ان کے انتظام میں باقاعدگی اور نظم و ضبط پایا جاتا تھا۔ مہانوں کی گنت تعداد کے لئے خورد و نوش اور ان کی ضروری آسائش کا پورا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ ہمیں واقعی یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مطبخ کے انتظام میں اربابیس کارکن پوری مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

دارالعلوم حقانیہ کے انتظامی پہلوؤں کے سلسلہ میں ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دارالعلوم کی تمام رقومات ڈاک خانہ کے سیونگ بینک میں بلا منافع جمع رہتی ہیں۔ اور دارالعلوم کی طرف سے ہر خواہشمند کو حسابات کی جانچ پڑتال کی اجازت ہے۔

بقیہ: قابل فخر مجاہد

”مادی وسائل کہاں خدا ہماری مدد دشمن ہی کے ہاتھوں کرتا ہے ان کا چھوڑا ہوا اسلحہ ہمیں کام دے جاتا ہے۔ ایک واقعہ سناتے ہوئے نصرت غیبی پر یقین و ایمان کو تازہ کر دیا۔ فرمایا کہ ایک بار فضائیہ نے بمباری کی تھی۔ ایک بڑا بم ہمارے ہاتھ لگا جو صبح بچ گیا تھا۔ ہمیں طریقہ کھولنے کا معلوم نہ تھا۔ اللہ کا نام لے کر اسے ہم نے آرمی سے کاٹ دیا۔ اور اس سے دس بارہ دھڑی بارود ہمیں ملا اسکو ہم نے استعمال کیا۔ دسی بم بنانا کہ بارود کو کام میں لائے۔ اسی طرح مجاہدین نے ایک اور بم ماہرین سے کھلویا تو اس میں چھوٹے چھوٹے نم بم اور نکل آئے اور ہ دھڑی بارود بھی نکل آیا۔“
اب ظہر کی نماز تیار تھی اور میں نے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور کسی دوسری فرصت میں مفصل حالات سنانے کا وعدہ بھی کیا۔